مسلمان کی تعریف کے متعلق مختلف آراء
پر
ایک نظر
از
امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھُوَالنَّاصِرُ
خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

خطبہ جمعہ

فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

بتاریخ ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء ؛ بمقام بیت الفضل لندن

تشہد و تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا :-

پاکستان میں جماعت احمدیہ کے خلاف جو ظلم و تعدی کی تحریک بڑے زور و شور سے جاری ہے۔ اس سے متعلق مختلف وقتوں میں مَیں جماعت کے سامنے حالات رکھتا رہتا ہوں۔ آج کے خطبے میں مَیں نے یہ موضوع چُنا ہے کہ اس تحریک کا وہ پس منظر کیا ہے جو خالصتہً دینی حیثیت رکھتا ہے اور جس کا تعلق احمدیوں کو مسلمانوں کے اسلام کے دائرے سے خارج کر کے غیر مسلم بنانا ہے۔ غالباً اس سے پہلے مَیں نے بعض خطبوں میں ان امور کی طرف اشارہ کیا ہے یا بعض ابتدائی خطبوں میں تفصیلی بحث بھی کی ہوگی لیکن چونکہ ہماری نئی نسلیں اور نئے آنے والے احمدی زیادہ تر اس پس منظر سے بے خبر ہیں۔ اس لئے کبھی کبھی ان باتوں کو دہرانا اور یاد کرانا مفید ہو سکتا ہے۔

جماعت احمدیہ کے خلاف ایک دور تو وہ تھا کہ جب محض فتووں پر بناء کی جاتی تھی اور

کثرت کے ساتھ تمام ہندوستان کے علماء ہی نہیں بلکہ ارض حجاز کے علماء سے اور دیگر ملکوں کے علماء سے بھی فتوے لئے گئے اور شائع کئے گئے جن کے ذریعے عوام الناس کو یقین دلانے کی کوشش کی گئی کہ احمدی قطعی طور پر دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک بھی زیادہ تر بناء انہیں فتاوٰی پر تھی لیکن جب ۱۹۵۴ء میں منیر انکوائری کمیشن ۱۹۵۳ء کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مقرر کیا گیا تو پہلی بار اس کمیشن نے جو عدلیہ کے بہت ہی ممتاز اور غیر معمولی قابلیت رکھنے والے دو۲ منصفین پر مشتمل تھا یعنی جسٹس محمد منیر اور جسٹس کیانی۔ تو انہوں نے پہلی بار اس سوال کو ایک اور نقطۂ نگاہ سے کھنگالا اور علماء کے سامنے معیّن طور پر یہ مسئلہ رکھا کہ جب تم کسی کو غیر مسلم قرار دیتے ہو تو تمہارے لئے لازم ہے کہ اس سے پہلے مسلمان کی تعریف کرو اور جب تک تم کسی چیز کی تعریف نہیں کرتے اور یہ ثابت نہیں کرتے کہ وہ تعریف اس شخص پر صادق نہیں آرہی جس کو تم اس تعریف سے باہر قرار دے رہے ہو۔ اس وقت تک تمہارا قانونی حق نہیں بنتا کہ کسی کے متعلق اپنی رائے کو ہی قانون بنالو چنانچہ معیّن طور پر ۱۹۵۳ء کے فسادات کے متعلق عدالتی تحقیقات کے دَوران جو ۱۹۵۴ء میں دراصل کی گئی۔ اس زمانے کے چوٹی کے ۹ علماء سے جسٹس منیر اور جسٹس کیانی نے اسلام کی تعریف کے متعلق معین سوالات کئے۔ یہ بہت ہی دلچسپ باب ہے اور

REPORT

of

THE COURT OF INQUIRY

constituted under

PUNJAB ACT II OF 1954

to enquire into the

PUNJAB DISTURBANCES OF 1953

یہ ہے ٹائیٹل اس کتاب کا جو ۱۹۵۴ء میں گورنمنٹ پرنٹنگ پنجاب پریس سے شائع ہوئی۔ اس کے

صفحات ۲۱۵ سے ۲۱۸ پر یہ دلچسپ بحث موجود ہے۔ اس کا خلاصہ میں نے تیار کیا ہے تاکہ آپ کے علم میں مسلمان کی تعریف کا وہ پس منظر لے کر آؤں جو اُس زمانے تک بعض علماء کے نزدیک سمجھی جا رہی تھی۔ سب سے پہلے وہ ذکر کرتے ہیں کہ مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری سے جب یہ سوال کیا گیا کہ مسلمان کی کیا تعریف ہے؟ تو انہوں نے چھ نکاتی جواب دیا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے۔ انہوں نے کہا: توحید[۱] پر ایمان لاتا ہو۔ آنحضرت[۲] صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہو۔ آنحضرت[۳] صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرتا ہو۔ قرآن کریم[۴] پر ایمان کہ یہ خُدا کا کلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ رسُول اللہ[۵] کے احکامات کو واجب التسلیم یقین کرتا ہو۔ اور قیامت[۶] پر ایمان لاتا ہو۔

اس تعریف کی کوئی بنیاد انہوں نے بیان نہیں کی۔ قرآن اور سنّت کی رُو سے کس بات پر انہوں نے بناء رکھی ہے جس کی رُو سے یہ تعریف بنائی۔ اور اس تعریف میں اور اُس تعریف میں جو بالعموم مسلمانوں میں رائج چلی آتی تھی یعنی تفصیلی تعریف، اس میں بعض بنیادی فرق ہیں۔ مثلاً قرآن کریم پر ایمان کا ذکر ہے مگر دیگر کتبِ سماوی پر ایمان کا کوئی ذکر نہیں۔ ملائکہ پر ایمان کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کی رسالت پر ایمان کا تو ذکر ہے مگر کُل انبیاء کی رسالت پر ایمان کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک کے علماء کے نزدیک اسلام کی کوئی واضح تعریف تھی ہی نہیں اور جس شخص کے منہ میں جو بات آئی اُس نے اس موقعہ پر کر دی۔

دوسرے نمبر پر وہ مولانا احمد علی صاحب۔ جمعیت علمائے اسلام کے نمائندے کا جواب درج کرتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اگر کوئی قرآن پر ایمان لاتا ہے۔ رسُول اللہ کی حدیث پر ایمان لاتا ہے تو اُسے مسلمان کہلانے کا حق ہے قطع نظر اس کے کہ وہ کسی اور چیز پر ایمان لاتا ہے یا نہیں لاتا۔ اس لئے باقی ارکانِ اسلام جو تھے اُن کا صفایا انہوں نے کر دیا اور منجملہ یہ کہنا

کافی سمجھا، اگر صفایا نہیں کیا کہ چونکہ قرآن کریم پر ایمان لے آیا، ساری باتیں اس میں شامل ہو گئیں۔ اس لحاظ سے ایک جامع تعریف تو بنتی ہے لیکن قرآن کریم کی تمام تفاصیل پر ایمان لانے کی جب بحث اُٹھ جائے تو ایک اتنا لمبا قضیہ شروع ہو جاتا ہے کہ اس کو مسلمان کی تعریف کہنا ہی غلط ہے۔ کیونکہ جسٹس منیر نے جو ایسے سوالات کئے، اُن سوالات سے پہلے انہوں نے تعریف کی تعریف کر کے اُن کو بتایا کہ تعریف اس کو کہتے ہیں جو کم سے کم الفاظ میں کسی چیز کی تصویر کافی صورت میں بیان کر دے تو کم سے کم الفاظ تو ہیں لیکن اس کے اندر یہ بات مضمر ہے کہ قرآن کریم کی تفصیلی بحثیں اٹھائی جائیں گی اور قرآن کریم کے کسی ادنیٰ سے حکم پر بھی اگر کوئی عمل نہیں کرتا یا حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی طرف منسوب ہونے والی کسی حدیث پر عمل نہیں کرتا تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

تیسرا سوال مولوی مودودی صاحب۔ ابوالاعلیٰ کہلانے والے مودودی صاحب سے کیا گیا اور ان کا جواب اس میں کوئی شک نہیں کہ مدلل تھا۔ صحیح سند رکھتا تھا اور کافی وشافی سمجھا جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ انہوں نے پانچ ارکانِ اسلام ہی بیان کئے، اس سے زائد کوئی بات نہیں کی۔ انہوں نے فرمایا۔ جو شخص توحید پر ایمان لاتا ہو۔ انبیاءؑ پر منجملہ ایمان لاتا ہو۔ تمام الٰہی کتب پر ایمان لاتا ہو۔ ملائکہ پر ایمان لاتا ہو۔ یوم الآخر پر ایمان لاتا ہو، وہ مسلمان ہے۔

چونکہ اس میں ختمِ نبوت کا کوئی ذکر نہیں ملتا اور کوئی ایسی شق وہ زائد نہیں کر سکے کیونکہ قرآن وسنت اِس کی اجازت نہیں دیتے تھے جس کی رُو سے وہ احمدیوں کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دے سکتے۔ اس لئے تعجب سے عدالت نے اِن سے یہ معین سوال کیا کہ کیا ان باتوں پر ایمان لانا مسلمان کہلانے کے لئے کافی ہے اور کسی اور چیز کی ضرورت نہیں اور وہ اسلامی سلطنت میں مسلمان کہلائے گا؟ تو جواب تھا۔ ہاں۔ پھر سوال ہوا کہ اگر کوئی ان پانچوں باتوں پر ایمان لاتا ہو تو کیا کسی کو حق ہے کہ اس کے ایمان کے وجود پر اعتراض کر سکے؟ تو جواب تھا

کہ جو پانچ ضروریات میں نے بیان کی ہیں یہ بنیادی ہیں۔ اگر کوئی ان میں تبدیلی کرے تو وہ دائرہ اسلام سے باہر نکل جائے گا۔

گویا اس کے پہلے علماء کے جواب میں جہاں جہاں ان پانچ باتوں سے انحراف کیا گیا ہے اور تعریف میں تبدیلی کی گئی ہے یا بعد میں آنے والے علماء نے ان پانچ باتوں کے علاوہ کچھ بیان کیں یا ان میں کوئی تبدیلی کی تو وہ بھی مولانا صاحب کی اس تعریف سے دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے۔ لیکن جیسا کہ آخر پر ظاہر ہوگا، احمدی خارج نہیں ہوئے اور باقی سب علماء چونکہ اس تعریف سے انحراف کرتے رہے ہیں، وہ خارج ہو جاتے ہیں۔ یہ کہنا شاید درست نہ ہو کہ احمدی خارج نہیں ہوتے باقی ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جماعتِ احمدیہ نے جو بیان دیا ہے وہ کلمۂ توحید اور کلمۂ رسالت کا اقرار کرنا ہے اور اس کی تفصیل یہ بیان نہیں کی جو یہ پانچ نکات ہیں۔ اس لئے مولانا مودودی کی تعریف کی رُو سے سوائے ان کی ذات کے باقی سارے جماعتِ اسلامی والے بھی جو اس کے سوا کوئی تعریف کرتے ہوں، دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں :

غازی سراج الدین صاحب نے بس اسی پر اکتفا کی کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کرتا ہے اور رسُول اللہ کی پیروی کرتا ہے تو وہ مسلمان ہے۔

عدالت نے علماء کے سامنے یہ سوال بار بار اُٹھایا کہ پیروی کرنے کی شرط اگر ضروری ہے تو عملاً جو شخص احکام اسلام کے بعض حصّوں پر عمل پیرا نہیں ہے۔ اُس کے متعلق کیا فتویٰ ہے ؟ تو باقی سب علماء نے جن سے بھی یہ سوال کیا گیا، یہ فتویٰ دیا کہ وہ پھر بھی مسلمان رہتا ہے لیکن غازی سراج الدین کی تعریف سے یہ بات نکلتی ہے کہ کوئی شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی پیروی نہیں کرتا کسی معاملے میں، وہ دائرہ اسلام سے باہر نکل جاتا ہے۔

مفتی محمد ادریس صاحب جامعہ اشرفیہ نے ایک نئی تعریف کی اور ساتھ یہ بھی اقرار کیا کہ میرے لئے ان تمام امور کا ذکر تقریباً ناممکن ہے جو مسلمان بنانے کے لئے ضروری ہیں۔ کیونکہ انہوں

نے بناء رکھی ضروریاتِ دین پر۔ کہ جو ضروریاتِ دین پر ایمان لاتا ہو وہ مسلمان ہے۔ جب عدالت نے یہ سوال کیا کہ ضروریاتِ دین ہیں کیا؟ تو اس موقعہ پر آ کر انہوں نے اقرار کیا کہ یہ اتنی لمبی فہرست ہے کہ میرے لئے ناممکن ہے۔ لفظ استعمال کئے ہیں، تقریباً ناممکن ہے کہ میں ان تمام ضروریاتِ دین کو بیان کر سکوں۔ گویا کہ جواب مبہم رہا۔

شیعہ عالم حافظ کفایت حسین صاحب نے جو ادارہ حقوقِ تحفظ شیعہ سے تعلق رکھتے تھے تین باتیں بنیادی طور پر بیان کیں "توحید، نبوت، قیامت" اس کے سوا کتب پر ایمان لانا۔ ملائکہ پر ایمان لانا، یہ انہوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ ان کے علاوہ ضروریاتِ دین پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔" اور ضروریاتِ دین کی تفصیل بیان نہیں کی۔

مولانا عبد الحامد بدایونی صاحب کا جواب یہ تھا کہ جو ضروریاتِ دین پر ایمان لائے وہ مؤمن ہے اور جو مؤمن ہے وہ مسلمان بھی ہے۔

ان سے بھی عدالت نے معین سوال کیا کہ ضروریاتِ دین ہیں کیا؟ اس کا جواب یہ تھا کہ جو شخص پانچ ارکانِ اسلام پر ایمان لاتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتا ہو وہ ضروریاتِ دین کو پورا کر دیتا ہے۔ تو عملاً ان کی تعریف وہی بن گئی کہ جو پانچ ارکانِ اسلام ہیں، وہی دراصل کسی کو مسلمان بنانے کے لئے کافی ہیں۔ ان پر ایمان لانا مسلمان بنانے کے لئے کافی ہے۔ اس پر عدالت نے سوال کیا کہ کیا اس کے علاوہ اور بھی ایسے امور ہیں جو کسی کے مسلمان ہونے یا دائرۂ اسلام سے باہر ہونے پر اثر انداز ہوتے ہیں؟ تو جواب تھا کہ ہاں اور بھی ہیں۔ سوال ہوا کہ کیا آپ ایسے شخص کو مسلمان نہیں کہیں گے جو ارکانِ خمسہ اور رسالت پر تو ایمان لاتا ہو لیکن چوری کرتا ہو، امانت میں خیانت کرتا ہو، ہمسائیوں کی بیویوں پر گندی نظریں ڈالتا ہو اور حد سے بڑھی ہوئی احسان فراموشی کا مرتکب ہو؟ جواب تھا کہ چاہے وہ یہ ساری باتیں کرے، اگر وہ ارکانِ اسلام پر ایمان لاتا ہے تو مسلمان ہے۔

محمد علی کاندھلوی صاحب نے بیان دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں جو ضروریاتِ دین پر عمل کرتا ہے وہ مسلمان ہے۔

یہاں صرف ایمان کی بات نہیں اُٹھائی بلکہ عمل کی بات اُٹھائی۔ سوال ہُوا کہ ضروریاتِ دین کیا ہیں؟ تو اس کا جواب تھا کہ ضروریاتِ دین وہ تقاضے ہیں جو ہر مسلمان کو معلوم ہیں خواہ وہ عالم دین ہو یا نہ ہو۔ یعنی ضروریاتِ دین اسلام کا وہ ظاہر و باہر تصور ہے جو دنیا کے ہر مسلمان کو معلوم ہے خواہ وہ عالم دین ہو یا نہ ہو۔ جب سوال ہُوا کہ وہ ضروریاتِ دین گنوایئے تو سہی۔ تو جواب دیا کہ مَیں نہیں جانتا۔ مَیں تمام ضروریات کو بیان کرنے کا اہل نہیں ہُوں۔

اسلام سے یہ کیسا تمسخر ہو رہا ہے اور یہ وہ چوٹی کے علماء سمجھے جاتے تھے جو Anti Ahmadiyya Agitation یعنی جماعت کے خلاف تحریک کے سربراہ تھے۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے مسلمانوں کو دو حصّوں میں تقسیم کیا۔ ایک سیاسی مسلمان اور ایک حقیقی مسلمان۔ سیاسی مسلمان کی دس شرطیں گنوائیں۔ اور سیاسی مسلمان بننے کے لئے جو شرطیں ان کے نزدیک ضروری ہیں، وہ یہ ہیں:۔ توحید[1]، ختم نبوت[2]، تقدیر[3] خیر و شر، ایمان بالآخرۃ[4]، قرآن آخری کتاب[5]، (دیگر کتب پر ایمان ضروری نہیں ہے) حج[6]، زکوٰۃ[7]، مسلمانوں کی طرح نماز[8] کی ادائیگی، تمام[9] ظاہری قوانین جو اسلامی معاشرہ پر لاگو ہوتے ہیں اُن سب پر عمل پیرا ہونا۔ (ملائکہ پر ایمان بیچ میں سے کھا گئے ہیں، اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی) اور روزہ[10]۔

فرماتے ہیں یہ دس باتیں کرنے کے باوجود وہ صرف سیاسی مسلمان بنے گا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ان پر ایمان لانا ہی کافی ہے۔ ان پر عمل کرنا سیاسی مسلمان ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے۔

سوال: کیا آپ کے نزدیک سیاسی اور حقیقی مسلمان میں یہی فرق ہوگا کہ جو ایمان لائے اور عمل نہ کرے وہ سیاسی اور جو ایمان لائے اور عمل بھی کرے وہ حقیقی مسلمان؟ تو جواب تھا:

میرا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ عمل ضروری ہے لیکن اگر کوئی ان باتوں پر عمل نہ بھی کرے تو وہ سیاسی مسلمان کی تعریف سے باہر نہیں نکلتا۔ پھر عدالت نے سوال کیا، اگر کوئی سیاسی مسلمان آپ کی ان دس باتوں سے اتفاق نہ کرے یعنی یہ کہے کہ آپ نے جو دس باتیں ضروری قرار دی ہیں۔ مجھے اِن سے اتفاق نہیں ہے۔ مَیں نہیں مانتا اِس تعریف کو، تو کیا آپ اس کو بے دین کہیں گے؟ جواب تھا: نہیں۔ مَیں اس کو بے عمل کہوں گا۔

یہ ہے خلاصہ۔ اور آخر پر وہ لکھتے ہیں۔ دسویں نمبر پر کہ صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے جو تعریف تحریری طور پر موصول ہوئی ہے، وہ یہ ہے۔ جو رسول اللہ صلعم کی امت میں سے ہو اور کلمہ طیبہ پر ایمان لاتا ہو۔ یہ مختصر تعریف جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پیش کی گئی۔

اس تعریفی بحث کے بعد جو سن ۷۴ء تک کا عرصہ گزرا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس عرصے میں کوئی نیا دین نازل نہیں ہوا۔ قرآن کریم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ کوئی ایسی احادیث منکشف نہیں ہوئیں جو پہلے اِن علماء کے علم میں نہیں تھیں۔ گذشتہ علماء کی کتب میں جو قرونِ وسطیٰ کے علماء ہیں، کوئی ایسا اضافہ نہیں ہوا جس کی بناء پر ان کو نئی تعریفیں معلوم ہوگئی ہوں۔ غرضیکہ اسلام کی علمی دنیا خود ان کے نزدیک اُس وقت تک پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ اور کوئی ایسی راہنمائی ان کو حاصل نہیں ہوئی۔ جس کی رو سے یہ اپنی تعریفیں تبدیل کر سکتے لیکن چونکہ علم پر بناء ممکن نہیں تھی اِس لئے سازش پر بناء کی گئی اور یہ سارے فرقے جن میں سے بعض کی نمائندگی اِن نو علماء نے کی۔ اور بعض دوسرے فرقے بھی جن کی نمائندگی نہیں ہوئی، ان سب نے اس سازش پر اتفاق کیا کہ ہمیں صرف وہی تعریف منظور ہو گی جس کی رُو سے اور کوئی دائرہ اسلام سے خارج ہو یا نہ ہو، جماعتِ احمدیہ قطعی طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس تعریف کا ذکر کرتے ہُوئے ممتاز حسین شاہ صاحب ایڈووکیٹ جنہوں نے ایک بہت ہی دلچسپ اور عالمانہ اور خیال انگیز کتاب حال ہی میں شائع کی ہے۔ اس کا عنوان ہے۔ "امریکہ کے سائے"۔ یہ کتاب شاہین لاء

یک ہاؤس نے شائع کی ۔ ۲۸ سیفی بلڈنگ نزد لائٹ ہاؤس سینما ایم ۔ اے جناح روڈ کراچی ۔
اس کا پتہ ہے یعنی ملنے کا پتہ یا اشاعت کا پتہ ۔

اس میں یہ بحث اٹھاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "مسلمان کی تعریف اور آئین میں ترامیم" لکھتے ہیں کہ ضیاء الحق نے آئین کے آرٹیکل نمبر ۲۶۰ میں ترمیم کر کے مسلم اور غیر مسلم کی تعریف اس طرح کی :۔

مسلم :۔ جو شخص اللہ کی وحدانیت اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتا ہو ۔ آپ کو آخری نبی مانتا ہو اور آپ کے علاوہ کسی بھی شخص کو نبی یا مصلح تسلیم نہ کرتا ہو ، وہ مسلم ہے ۔

غیر مسلم (کی تعریف یہ کی) جو شخص مسلم نہ ہو یا جس کا تعلق عیسائی یا ہندو ، سکھ ، بدھ یا پارسی فرقوں سے ہو ، وہ غیر مسلم ہے ۔" (آمریت کے سائے صہ ۲۷۳)

اس پر یہ لکھتے ہیں :۔

"یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ قادیانی جماعت کو غیر مسلم بنانا خاصا مشکل کام تھا اس لئے کہ مسلمان کی تعریف تو صرف یہ تھی کہ جو شخص توحید و رسالت پر ایمان لے آئے وہ مسلمان ہے یعنی جو شخص بھی کلمہ طیبہ پڑھ لے اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اپنی زبان سے ادا کر دے وہ مسلمان ہو جاتا ہے ۔ ایک مسلمان کے لئے جن باتوں پر ایمان لانا ضروری تھا ان میں توحید ، رسالت ، فرشتوں ، آسمانی کتابوں ، خیر و شر کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا اور حیات بعد الموت شامل ہیں ۔ قادیانی جماعت ان جملہ باتوں پر ایمان رکھتی ہے ۔"

(آمریت کے سائے صہ ۲۷۳-۲۷۴)

اس لئے کوئی آسان کام نہیں تھا کہ جماعت احمدیہ کو اس تعریف کی رُو سے باہر نکالا جا سکے ۔
پس ضیاء الحق صاحب نے یا اس سے پہلے ۱۹۷۴ء میں علماء نے مل کر جو سازش تیار کی ، وہ یہ تھی کہ ایسی

تعریف کریں جس میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو اور پانچ ارکان اسلام کو مسلمان بنانے کے لئے کافی نہ سمجھا جائے اور ایک ایسی زائد شرط لگا دی جائے جس کی رُو سے احمدی جماعت باہر نکل جائے باقی دوسرے فرقے بیچ میں رہیں یا نہ رہیں، اِس سے قطع نظر۔ لیکن اس تعریف پر مزید گفتگو سے پہلے میں ایک اور دلچسپ بات آپ کے سامنے رکھنی چاہتا ہوں۔ اس بحث کے آخر پر یہی مصنف لکھتے ہیں کہ:۔

"مسلمان کی تعریف کے ہی سلسلہ میں جناب ارشاد احمد حقانی صاحب ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کالم روزنامہ جنگ لاہور مورخہ ۱۷ر فروری ۱۹۸۴ء میں تحریر کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ لاہور ہائی کورٹ میں جسٹس ایم۔ آر کیانی نے علماء سے مسلمان کی تعریف دریافت کی تو علماء نے آپس میں مشورہ کے بعد کہا تھا کہ "ہمیں اس کے لئے کچھ مہلت دیجئے (تاکہ وہ تعریف بنا سکیں) تو جسٹس موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا کہ "آپ کو ڈیڑھ ہزار سال کی مہلت مل چکی ہے اس سے زیادہ کی مہلت دینا اس عدالت کے اختیار میں نہیں"۔

(آمریت کے سائے ص ۳۰۵)

تو جس قوم کو ڈیڑھ ہزار سال میں اپنی ماہیت کی تعریف نہ معلوم ہوئی ہو، اس کو کیا حق پہنچتا ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال یا چودہ سو سال کے انتظار کے بعد ایک نئی تعریف ایجاد کرے، جو سابقہ تمام تعریفوں کو ناکافی اور نااہل قرار دے دے۔ یہ ہے بنیادی بحث جس کی طرف اس دلچسپ تبصرے میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اور جسٹس کیانی کو آپ میں سے بہت سے جانتے ہوں گے کہ بڑے ہی ذہین اور فطین انسان تھے اور بہت دلچسپ تبصرے کیا کرتے تھے۔ ان کے تبصروں میں یہ تبصرہ ایک شاہکار ہے کہ مولانا پندرہ سو سال آپ کو ملے ہیں، ڈیڑھ ہزار سال اور اب مزید مہلت دینا عدالت ہذا کے اختیار میں نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس چودہ سو سال یا پندرہ سو سال (پندرہ سو سال تو عموماً انہوں

نے ایک راؤنڈ فگر کے طور پر بیان کئے) عملاً چودہ سو سال سے کچھ عرصہ کم گزرا تھا۔ اس عرصے میں جو تعریف پر اکٹھے نہ ہو سکے اور اس وقت تک اتنا اختلاف رہا کہ جسٹس منیر یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے انہیں تعریفوں کے ذکر کے بعد اب صورتحال یہ واضح ہوتی ہے کہ اگر ہم ان نو علماء کی تعریف سے اتفاق نہ کریں اور اپنی ایک الگ تعریف بنالیں تو ان سب کے نزدیک متفقہ طور پر ہم دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے اور ان میں سے کسی ایک کی تعریف سے بھی اگر اتفاق کریں کسی ایک کی تعریف سے بھی تو تمام دوسرے علماء کے نزدیک ہم دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے۔ یہ وہ آخری شکل تھی ۱۹۷۴ء تک۔ وسیع اسلامی تاریخ پر پھیلے ہوئے ان سارے موضوعات کی بحثوں کا جو خلاصہ علماء نے بیان کیا وہ آپ کے سامنے جسٹس منیر نے اُن کے جوابات کی صورت میں رکھ دیا اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے متفق نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس ۱۹۵۳ء کے بعد سے لے کر ۱۹۷۴ء تک وہ کونسی نئی شریعت ان پر نازل ہوئی ہے۔ جس کی رُو سے انہوں نے ایک متفقہ تعریف بنالی۔ بہرحال جو تعریف بھی بنائی گئی، اس میں پھر اس مصنف کے نزدیک ضیاء الحق صاحب نے ترمیم کی اور ترمیم شدہ صورت تعریف کی یہ نکلی کہ "جو شخص اللہ کی وحدانیت اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھتا ہو۔ آپ کو آخری نبی مانتا ہو اور آپ کے علاوہ کسی بھی شخص کو نبی یا مصلح تسلیم نہ کرتا ہو، وہ مسلم ہے۔" اس تعریف کی رُو سے تمام وہ مسلمان جو اس سے پہلے قرونِ اُولیٰ سے اب تک گزرے ہیں وہ سارے غیر مسلم بن جاتے ہیں کیونکہ اسلام کی تعریف جو قرآن نے کی ہے اس کی رُو سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا کافی نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی طرح ملائکہ کا ذکر نہیں۔ یومِ آخر کا ذکر نہیں۔ دیگر کتب پر ایمان لانے کا ذکر نہیں تو وہ سب جو اُن باتوں پر ایمان لایا کرتے تھے۔ اس تعریف کی رُو سے وہ دائرہ اسلام سے باہر نکل جاتے ہیں تو یہ کوئی آسان بات نہیں تھی۔ بہرحال ایک سازش ہوئی اور اس کا آخری نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے مل کر یہ تعریف کی کہ

جو شخص حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا انکار کرے وہی مسلم ہوگا اور محض کلمہ توحید کا اقرار اور کلمۂ رسالت کا اقرار جسے ہم کلمۂ طیبہ یا کلمۂ شہادہ کہتے ہیں، وہ کافی نہیں ہے۔ پس تعریف میں دو جز شامل ہوئے۔ ایک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار، جو دراصل جامع ہے اُن تمام باتوں پر جو اسلام کی تفصیلات میں آتی ہیں یعنی اس میں اگرچہ ملائکہ کا ذکر نہیں اور کتب کا ذکر نہیں، دوسری چیزوں کا ذکر نہیں، لیکن کلمہ اپنی ذات میں جامع مانع ہے۔ کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی صداقت کی شہادت دینا اُن تمام امور پر جامع ہوتا ہے جن پر ایمان لانا آپ نے ضروری قرار دیا۔ اس پہلو سے تو ضیاء الحق کی تعریف ہو یا کسی اَور کی، قابلِ اعتراض نہیں بنتی لیکن جب اس تعریف کو کافی نہ سمجھا جائے اور مزید اضافے کئے جائیں تو پھر جن اہم امور کو چھوڑ دیا جاتا ہے وہ قابلِ اعتراض بن جاتے ہیں۔ یہ بنیادی نکتہ ہے جس کو ہر احمدی کو سمجھنا چاہیئے۔

ہمارے نزدیک کلمۂ توحید سارے اسلام پر حاوی ہے۔ کلمۂ توحید اور کلمۂ رسالت یعنی جن کو ملا کر ہم کلمۂ شہادۃ کہتے ہیں۔ جن لوگوں نے اس کو کافی نہ سمجھا اور اس لئے کافی نہ سمجھا کہ احمدی بھی یہ پڑھتے ہیں انہوں نے اضافوں کی کوشش کی۔ جب اضافوں کی کوشش کی تو تمام ضروریات بیان نہ کیں بلکہ بعض ضروریات بیان کر دیں اور تعریف کو نامکمل اور ناکافی بنا کر دکھا دیا۔ اس تعریف کی رُو سے آپ یاد رکھیئے دو شقیں بنتی ہیں۔ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا انکار۔ اب اس کے نتیجے میں پاکستان میں آرڈیننس میں جماعت احمدیہ کے جو حقوق غصب کئے گئے، ان قوانین کا اس تعریف سے ایک بنیادی اندرونی ٹکراؤ ہے جس کو میں روشنی میں لانا چاہتا ہوں۔ پاکستان میں احمدیوں پر سب سے زیادہ مظالم کلمۂ شہادہ کے اقرار پر اور اس کے حق میں گواہی دینے پر ہوئے ہیں اور علماء نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ چونکہ احمدی ہمارے نزدیک مسلمان نہیں، اس لئے ان کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے کا حق نہیں ہے اور چونکہ ضیاء

کا یہ آرڈیننس وضاحت کے ساتھ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیتا ہے اور غیر مسلم کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی پہلو سے بھی مسلمانوں کی مشابہت اختیار کرے، قول سے یا فعل سے۔ اس لئے چونکہ کلمہ طیبہ مسلمانوں کی بنیادی پہچان ہے۔ اس لئے جب احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا تو جب وہ یہ کلمہ پڑھتے ہیں تو عملاً مسلمانوں کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے اوپر آرڈیننس کی رُو سے وہ سزائیں واجب ہو جاتی ہیں جن کا آرڈیننس میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ہے اُن کا استدلال۔ لیکن یہ استدلال فی ذاتہٖ محض بودا اور نکما استدلال ہے۔ اس میں اس کی غلطیوں کے بہت سے پہلو ہیں جو بعض سابقہ خطبوں میں مَیں آپ کے سامنے رکھتا رہا ہوں لیکن آج تعریف کے نقطۂ نگاہ سے ایک بات کھولنی چاہتا ہوں۔

تعریف کے ایسے اجزاء بھی ہوا کرتے ہیں جو عام ہوں اور ایسے اجزاء بھی ہوتے ہیں جو تخصیص پیدا کرتے ہیں اور امتیاز پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً آپ جب کہتے ہیں کہ انسان کی تعریف یہ ہے کہ وہ حیوان ناطق ہو یعنی اس کا حیوان ہونا تو ضروری ہے لیکن اس کا حیوان ہونا کافی نہیں ہے اگر حیوان ہونا انسان کی تعریف کے لئے کافی ہو تو ناطق کی شرط بے معنی اور بے ضرورت ہو جاتی ہے۔ اور جیسا کہ جسٹس منیر نے بڑی قابلیت سے شروع میں علماء کو سمجھایا تھا کہ پہلے تعریف کی تعریف سمجھ لو۔ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ واضح اور قطعی بات کرنا جس کا اطلاق اس نوع پر ہو جائے جس نوع کی تعریف کی جا رہی ہے اور اس نوع کے علاوہ کسی اور پر اس کا اطلاق نہ ہوتا ہو۔ یہ ہے دراصل تعریف کی تعریف۔ اس کو اپنے لفظوں میں جسٹس منیر نے علماء کے سامنے رکھا اب اس تعریف کی رُو سے جب یہ کہا گیا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا ضروری ہے لیکن اسے کافی نہیں سمجھا گیا تو تعریف کا یہ حصہ عام ہو گیا جس طرح حیوانِ ناطق میں حیوان کا لفظ عام ہے لیکن کافی نہیں ہے۔ ناطق وہ لفظ ہے جس نے امتیاز پیدا کیا ہے اور ناطق کے بغیر تعریف مکمل نہیں بنتی۔ پس جب بھی علماء نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اُوپر

اس بات کا اضافہ کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کا انکار کرے تو یہ تسلیم کر لیا کہ یہ تعریف عام ہے اور محض اس سے کسی کا اسلام ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس میں یہ مزید اضافہ کیا جائے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا انکار کرے تب وہ تعریف مکمل ہوگی۔ اب اس کی رُو سے ہم واپس لوٹ کر اس مثال کو پھر دیکھتے ہیں جس کا میں نے ذکر کیا ہے یعنی حیوانِ ناطق۔ اگر کوئی یہ قانون ہے کہ انسان کے سوا کسی اور جاندار کو ایسی حرکتیں کرنے کا حق نہیں جو اس کو انسان سے مشابہہ قرار دیتی ہوں تو ہر حیوان جو انسان کے ساتھ بہت سی قدرِ مشترک رکھتا ہے اور انسان کی تعریف میں سے تعریف کا بھاری حصّہ ہر دوسرے حیوان پر بھی صادق آتا ہے، اس کو ایسی حرکتوں سے روکا نہیں جا سکتا جو انسان کے ساتھ مشترک ہیں۔ کیونکہ تفریق کرنے والی علامت ناطق ہے۔ پھر اگر ایسا قانون بنایا جائے کہ جو شخص انسان کے مشابہ حرکات کرے، اس میں ہر حیوان کو یہ حق مل جائے گا کہ وہ حیوانیت کی قدرِ مشترک میں بے شک جتنا چاہے انسان بنے لیکن نُطق اختیار نہ کرے۔ اگر اس کی سزا میں پھانسی ملتی ہو تو صرف طوطے ذبح کئے جائیں گے یا پھانسی پر چڑھائے جائیں گے۔ اُن کے متعلق الزام لگایا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے ناطق کی نقل کی اور اس نطق کی سزا میں اُن کے اُوپر یہ سزا لاگو ہونی چاہیئے بعینہٖ یہی صورتحال ان کی اسلام کی نئی تعریف پر صادق آ رہی ہے۔ جب انہوں نے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اپنی ذات میں کافی نہیں ہے۔ اس لئے کہا کہ یہ جانتے تھے اور آج بھی جانتے ہیں کہ تمام احمدی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں اور کلمۂ شہادہ ان کے دین کا بنیادی جزء ہے۔ اُن کو خارج کرنے کے لئے جب انہوں نے اس کو تعریف کا عام حصّہ قرار دے دیا اور اس پر امتیازی یہ شرط لگا دی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا انکار بھی کرے تو اس عمومیّت کو اسلام کی نمائندگی قرار دینے کا اُن کو حق ہی باقی نہیں رہتا۔ وہی حیوانیت والی بات ہے محض حیوان بننا کسی جانور کو ہرگز اس بات کا سزاوار نہیں ٹھہراتا کہ وہ گویا انسان بن رہا ہے۔ جبتک تعریف کا دوسرا حصّہ یعنی ناطق اس پر اطلاق نہ کرے یا وہ ناطق پر عمل کرنے کی کوشش نہ کرے،

اس وقت تک کسی حیوان پر یہ الزام نہیں آسکتا۔ پس اگر کلمہ طیبہ کافی ہے تو پھر احمدی ویسے ہی مسلمان بن جاتا ہے اور اس کو باہر نہیں نکال سکتے۔ جب ناکافی سمجھتے ہیں تو فی ذاتہ کلمہ طیبہ اسلام کی علامت نہیں رہتا جب تک دوسری شرط کے ساتھ اس کو گانٹھا نہ جائے۔ پس اب قانونی شکل یہ بنتی ہے کہ جو بھی احمدی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے ہیں، اُن کے اُوپر قانون ہرگز یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ تم نے مسلمان بننے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ وہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمان کی تعریف بتاؤ۔ کس طرح مسلمان بننے کی کوشش کی ہے؟ وہ جب تعریف کریں گے تو کہیں گے۔ اس طرح کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر ایمان لانا اور مرزا غلام احمد کی نبوت کا انکار کرنا مسلمان بناتا ہے تو ایک احمدی جواب دے گا کہ میں نے تو ہرگز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھ کر مرزا غلام احمد قادیانی کا انکار نہیں کیا۔ اس لئے تمہاری تعریف مجھ پر صادق ہی نہیں آتی اور میں تمہاری تعریف میں مخل نہیں ہُوا۔ تمہاری تعریف کی رُو سے مجھ پر مسلمان بننے کا جُرم اس وقت تک عائد نہیں ہو سکتا یا الزام عائد نہیں ہو سکتا جب تک میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی کا انکار نہ کروں۔ پس جب تک میں وہ مسلمان نہ بنوں جو تمہاری تعریف کی رُو سے مسلمان کہلاتا ہے۔ اس وقت تک تمہارا کوئی قانون مجھے سزا نہیں دے سکتا۔ یہ ہے آخری اور بنیادی بات جس کے بعد اب، جیسے کہا جاتا ہے کہ بال (BALL) ان کی کورٹ میں، دوسرے کی کورٹ میں چلا گیا۔ اب اِن کا فرض ہے کہ ہمیں ثابت کرکے دکھائیں کہ کس طرح اس احمدی پر مسلمان کی تعریف ثابت آجاتی ہے جو صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے اور یہ کہنے کے جُرم میں یہ حکم اس پر لگ جاتا ہے کہ گویا اُس نے اپنے آپ کو مسلمان بتایا یا مسلمان ظاہر کیا۔ پس جب تک احمدی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ساتھ چمٹا ہُوا ہے اور آپ کی صداقت کا اقرار کرتا چلا جاتا ہے اِن کے بنائے ہُوئے قوانین کی زد سے باہر رہتا ہے اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو ان میں شامل ہو جاتا ہے۔ سزا پھر بھی اس کو نہیں مل سکتی۔

دیکھیں۔ انسانی بنائے ہُوئے یہ قوانین کتنے بے معنی اور ناکارہ اور بے حقیقت ہوا کرتے ہیں۔
سازشوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ محض دشمنیوں اور بُغضوں کے اظہار کا ذریعہ بنتے ہیں اور کوئی نہ کوئی نفسانی ایسے محرکات ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں اکثر انسانی قوانین بنتے ہیں۔ اس لئے وہ کھوکھلے ہوتے ہیں۔ بودے ہوتے ہیں۔ بے معنی ہوتے ہیں۔ قانون وہی ہے جو خدا بنائے۔ اب انسانی قوانین کی حقیقت کسی نے دیکھنی ہو یا یہ دیکھنا ہو کہ کیسے بے حقیقت قوانین ہوا کرتے ہیں تو پاکستان میں جو کچھ گذرا ہے وہ اس کی بہترین مثال پیش کرتا ہے۔ ساری قوم نے مل کر ایک بنیادی دستور بنایا جسے ۱۹۷۳ء کا دستور کہا جاتا ہے، متفقہ طور پر۔ اس دستور میں ایک قانون یہ تھا کہ جو شخص بھی اس دستور پر حملہ کرے گا اور کسی طرح بھی اس دستور کی خلاف ورزی کرے گا وہ پھانسی کا سزاوار ہے اور سب سے بڑی بغاوت جو ملک کے خلاف کی جا سکتی ہے، اس کا وہ سزاوار ٹھہرے گا۔ یہ تھا وہ دستور اور اس دستور کی حفاظت کے لئے یہ شق رکھی گئی تھی۔ ایک شخص اُٹھتا ہے وہ سارے دستور پر تبر رکھ دیتا ہے اور جس دستور کی رُو سے وہ گردن زدنی ہے اُسی دستور کو منسوخ کر دیتا ہے اور قوم بالکل بے اختیار ہو جاتی ہے اور ساری عدلیہ مُلک کی، ساری عدلیہ تو نہیں مگر انصاف پرست جو منصفین تھے وہ تو احتجاج میں الگ ہو گئے تھے لیکن بعد میں جو عدلیہ پیدا ہوئی، آج تک رہی وہ ساری عدلیہ بالکل بے بس اور نہتی ہو گئی اور ایسے ظالم شخص کے متعلق کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکی جس نے وہ قانون منسوخ کیا جس نے اس کی جان منسوخ کی تھی اور جس نے اپنے قتل کے خلاف قانون منسوخ کر دیا، اس کے مقابل پر بالکل بے اختیار ہو کر بیٹھ گئی۔
اس شخص نے آٹھویں ترمیم کے نام پر، اکیلے نے ایک آرڈیننس بنایا اور جبراً اس وقت کے ملکی نمائندگان پر وہ قانون بعد میں ٹھونس دیا اور ساری قوم مِل کر اب اس ایک آدمی کے بنائے ہُوئے قانون کو منسوخ نہیں کر سکی۔ یہ تو انسانی قوانین کا حال ہُوا کرتا ہے۔ قانون وہی ہے جو خُدا بنائے اور خُدا کے بنائے ہُوئے قانون کے سوا اور کوئی قانون دنیا میں درحقیقت پیروی کے لائق

نہیں ہے۔ اسی حد تک ہم اس کی پیروی کرتے ہیں جس حد تک خُدا کا قانون ہمیں مجبور کرتا ہے۔ اور خُدا کے قانون میں ایسی شقیں بھی ہیں جس کی رُو سے بہت سے حالات میں ہمیں دنیا کے قوانین کو بھی ماننا پڑتا ہے خواہ وہ معقول ہوں یا غیر معقول ہوں۔ ہاں جہاں وہ خُدا کے قانون سے ٹکرا جائیں وہاں ہم پر فرض نہیں رہتا کہ اس پر عمل کریں اور جہاں وہ واجبات سے ٹکرا جائے وہاں ہمیں اجازت نہیں ہے کہ ہم ان قوانین کی پیروی کریں۔ پس یہ ہے خلاصہ اس ساری صورتحال کا۔ جتنا بھی انہوں نے زور لگایا۔ جیسے جیسے بھی قوانین بنائے اور احمدیوں پر تبر رکھنے کی کوشش کی۔ یہ ناکام ہو چکے ہیں کلیتہً اور ان کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ جو شخص لا الہ الا اللہ پڑھے، اس کے متعلق یہ الزام لگ ہی نہیں سکتا کہ تم مسلمان بن رہے ہو جب تک اگلی شق پوری نہ کرے۔ جب اگلی شق پوری کرتا ہے تو اُن کے قانون کی رُو سے ویسے ہی نکل جاتا ہے۔ اس لئے بالکل حقیر اور بے معنی قانون ہے۔

آخر پر میں اس بارے میں ایک معاملے میں ساری دنیا کے مسلمانوں کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں پاکستان میں گذشتہ ۲۰ - ۲۵ سال میں یا زیادہ عرصہ ہو۔ ۵۳ء میں تو خاص طور پر یہ بات نمایاں ہوئی ہے تو اب تو ۳۰ اور ۵، ۳۵ سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ ۵۳ء سے شروع ہو کر یا ۵۲ء سے شروع ہو کر کہنا چاہیئے جب وہ تحریک نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے جس کے ذریعے جماعتِ احمدیہ کو طرح طرح کے الزامات کا نشانہ بنایا گیا اور بالآخر کوشش کی گئی کہ جماعتِ احمدیہ کو اسلام سے خارج کر دیا جائے۔ اس تحریک سے لے کر اب تک مسلسل جو کوشش کی جا رہی ہے، اس کے نتیجے میں ایک بات زیادہ واضح اور نمایاں ہوتی چلی جا رہی ہے کہ متشدد علماء باوجود اس کے کہ ایک دوسرے سے شدید نفرت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے بنیادی باتوں میں اختلاف کرتے ہیں، اس بات میں ایکا کر چکے ہیں کہ ہم شریعت کے نام پر اس ملک میں حکومت کریں اور ہر ایک کی یہی خواہش ہے ہر ایک نے یہ زور لگانے کی کوشش کی ہے۔ ہر ایک آج بھی زور لگا رہا ہے کہ

شریعت کے نام پر میں اس ملک پر حاکم ہو جاؤں۔ اب تک ایسا نہیں ہو سکا تو اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ آپس میں ان کے اختلافات ہیں جو طے نہیں ہوتے اور ہر ایک ان میں سے چاہتا تو یہی ہے کہ شریعت کے نام پر میں نافذ ہو جاؤں لیکن ساتھ ہی یہ پسند نہیں کرتا کہ شریعت کے نام پر میرا کوئی رقیب اُس ملک پر نافذ ہو جائے۔ نافذ کی بجائے کہنا چاہیئے، مسلط ہو جائے۔ پس یہی جھگڑا چل رہا ہے۔ جس طرح غالبؔ نے کہا تھا کہ ؎

رات کے وقت مَے پئے ساتھ رقیب کو لئے
آئے وہ یاں خُدا کرے پر نہ کرے خُدا کہ یُوں

رات کا وقت ہو۔ مَے پیئے ہُوئے میرا دوست آ رہا ہو۔ دل تو یہی چاہتا ہے کہ اس طرح آئے لیکن رقیب کو ساتھ لے کر آئے، یہ نہیں مجھے پسند۔ یہ نہ ہو۔

اب یہ جب شریعت لاتے ہیں تو رقیب بھی ساتھ آ جاتے ہیں اور اپنے بدمست رقیبوں کو یہ دیکھ نہیں سکتے۔ اب تک تو یہی روک رہی ہے لیکن اب بالعموم سُنّی علماء نے معلوم ہوتا ہے کہ اس بات پر اتفاق کر لیا ہے کہ سُنّی شریعت، جس کو وہ شریعت سمجھتے ہیں، اس کو ملک میں ضرور نافذ کر دیا جائے پھر بعد میں ہم آپس میں لڑتے رہیں گے کہ کون سُنّی مولوی اس شریعت کی رُو سے مطلق العنان حاکم بنتا ہے یا کون نہیں بنتا۔ یہ سازش یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ لیکن جو حصّہ نہایت ہی خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ اس سازش کا ایک منفی اثر ساتھ کے وسیع ملک ہندوستان پر بھی پڑا اور جس طرح ایک مثبت پول یعنی (POSITIVE POLE) بجلی کا بنتا ہے۔ اسکے مقابل پر لازماً ایک (NEGATIVE POLE) بھی بن جایا کرتا ہے۔ ایک مرکز اگر مثبت بنتا ہے تو خالی مثبت مرکز کوئی چیز نہیں۔ لازماً اُس کے اثر میں اُس کے عکس، اُس کے پرتَو کے طور پر ایک منفی نقطہ ضرور ظاہر ہوتا ہے جس کو ہم نیگیٹو پول کہتے ہیں سائنسی اصطلاح میں۔ تو ان باتوں کا اثر غیر مسلم دنیا پر لازماً پڑنا تھا اور سب سے زیادہ اثر طبعاً ہندوستان پر پڑنا تھا جو کہ بڑی مدّت سے

پاکستان کا رقیب چلا آرہا ہے۔ چنانچہ ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے جہاں انہوں نے نفاذِ شریعت کے نام پر دراصل اپنی حکومت کو مسلط کرنے کی کوششیں کی ہیں، ہندو انتہا پسندوں کو بھی ایک نکتہ ہاتھ آگیا۔ اُنہوں نے سوچا کہ اگر شریعت کے نفاذ کے ذریعے، ہم لوگ جن کو سیاست میں پوچھتا کوئی نہیں اور ووٹوں کے وقت کوئی گھاس بھی نہیں ڈالتا، پاکستان میں مذہبی متشدد اور انتہا پسند سیاست میں اُوپر آسکتے ہیں تو ہم کیوں نہ آکر دیکھیں۔ چنانچہ ہندوؤں کا وہ انتہا پسند ٹولہ جس کی پہلے سے کبھی ہندوستان کی سیاست میں کوئی حیثیت نہیں رہی۔ اس ردّعمل کے طور پر اِس طرح اُبھرا ہے کہ اُنہوں نے بڑی شدّت کے ساتھ منافرت کے ہتھیار اُٹھا کر ہندو شریعت کے نفاذ کی مہم چلائی اور جس طرح جاہل عوام خواہ وہ کسی بھی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، اِن باتوں کے فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہوا کرتے بلکہ ان کی نفرتوں کے مزاج سے جو شخص بھی کھیلنے لگ جائے، نفرتوں کے رجحان سے کھیلنے لگ جائے وہ تقویت پکڑ جاتا ہے تو ہندوستان میں بھی نفرت کی یہی ہولی کھیلی جانے لگی ہے۔

اور یہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار ہے کہ اتنی بھاری تعداد میں ہندو انتہا پرست طبقہ سیاست کے افق پر اُبھرا ہو۔ چنانچہ پانچ سَو کچھ کی اسمبلی میں ۸۲ انتہا پسند منتخب ہُوئے ہیں اور یہ ابھی آغاز ہے تو اگر خدانخواستہ وہاں یہ رجحان بڑھنا شروع ہو جائے جیسا کہ بڑھتا ہُوا دکھائی دے رہا ہے اور وہی حرکتیں جو پاکستان میں کی جارہی ہیں وہاں اَور شدّت سے اختیار کی جانے لگیں۔ جیسا کہ بابری مسجد کا واقعہ ہے تو ہمارے لئے تو یہ انتہائی تکلیف کا موجب ہوگا کیونکہ درحقیقت مسلمانوں کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو سب سے زیادہ دُکھ احمدی کو پہنچتا ہے۔ اگر اس کو دُکھ نہیں پہنچتا تو وہ سچا احمدی نہیں ہے۔ مَیں تو تصوّر بھی نہیں کرسکتا ایک ایسے احمدی کا جس کو دنیا میں کہیں بھی مسلمان کے دُکھ سے راحت پہنچتی ہو۔ مجھے یاد ہے جب ہندوستان میں مسلمانوں پر مظالم کئے جارہے تھے تقسیم کے وقت تو سب سے زیادہ شدّت کے ساتھ اُن مظالم کے خلاف جو عالمی مہم چلائی ہے وہ حضرت مصلح موعودؓ نے چلائی ہے۔ اور تمام مبلّغین جو دنیا میں کہیں بھی تھے یا اگر

ہیں مبلغین نہیں تھے اور احمدی بستے تھے تو ان سب کو حضرت مصلح موعودؓ نے ہدایات جاری فرمائیں اور اس کثرت سے ہندوستان کی حکومت پر دباؤ ڈالے گئے اور مسلمانوں پر مظالم کی داستانیں شائع کروائی گئیں اور تمام دنیا کے بسنے والوں کو اس سے مطلع کیا گیا کہ اس کے مقابل پر ہزارواں حصہ بھی پاکستان کی حکومت نے نہیں کیا۔ اس لئے میں آپ کو یہ تاریخ یاد دلا رہا ہوں اور خصوصیت سے اس سارے پس منظر میں آپ کو یہ متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان ظلموں کے نتیجے میں جو آپ پر ہوتے رہے آپ اپنے دل کو ٹیڑھا نہ ہونے دیں۔ اپنے دل کو غلط طور پر انتقام پرست نہ بنائیں۔ اپنی اخلاقی قدروں کی حفاظت کریں۔ اُمتِ مسلمہ سے جو سچی محبت احمدی کو ہونی چاہیئے، اس سچی محبت پر آنچ نہ آنے دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے اس شعر کو ہمیشہ مطمعِ نظر بنائے رکھیں اور حرزِ جان بنائے رکھیں ؎

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعوئ حبِ پیمبرم

کہ اے میرے دل تو ہمیشہ اس بات کو نگاہ میں رکھنا کہ آخر یہ لوگ جو تیرے دشمن ہیں وہ تیرے آقا، تیرے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی محبت کے دعویدار ہیں۔

پس دُنیا کے کونے کونے میں جہاں بھی مسلمان بستا ہے خواہ وہ آپ سے دشمنی میں انتہاء بھی کر رہا ہو اگر وہ آپ کے محبوب حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی محبت کا دعویدار ہے تو یہی بات اس کے لئے کافی ہے کہ آپ اُس کے لئے دعائیں کریں اور اُس کے دُکھ میں شریک ہو جائیں اُس کی خوشی سے خوش ہوں۔ اُس کے غم سے مغموم ہو جایا کریں۔

پس ہندوستان کے افق پر جو خطرات اُبھر رہے ہیں ہر چند کہ وہ اُن ظالموں کے کردار کی ایک تصویر ہے جو وہ پاکستان پہ بنا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ان اُبھرتے ہوئے خطرات کے نتیجے میں اگر عالمِ اسلام کو کوئی نقصان پہنچا تو سب سے زیادہ اس کا دکھ احمدی کو ہونا چاہیئے اور ابھی

سے اس کے خلاف اُس کو تیاری کرنی چاہیئے ۔ ابھی سے اس کے خلاف رائے عامہ کو تیار کرنا چاہیئے ۔ پس جہاں آپ دنیا کی رائے عامہ کو یہ بتاتے ہیں کہ پاکستان میں ان ظالموں نے آپ کے ساتھ کیا کیا ہے وہاں آپ کا یہ بھی فرض ہے کہ دُنیا کی رائے عامہ کو بتائیں کہ اب یہی بدبختیاں ہندوستان میں بھی ظاہر ہونی شروع ہو گئی ہیں ۔ اور دس کروڑ مسلمانوں کی عزت اور جانیں خطرے میں ہیں اور اگر مذہب اور شریعت کے نام پر مظالم کو چھُٹی دی گئی تو جس طرح پاکستان میں اس کے شدید نتائج ظاہر ہُوئے ہیں اور بہت ہی مظالم مقدس ناموں پر انسانوں پر کئے گئے ہیں ، اس سے بہت بڑھ کر دردناک مظالم ، اس سے بہت بڑھ کر سفاکی کے ساتھ اور بہیمانہ پن کے ساتھ پاکستان کے ہمسائے ملک میں مسلمانوں پر توڑے جانے کا خطرہ درپیش ہے اور یہ خطرہ ایک فرضی خطرہ نہیں ایک بہت بڑا حقیقی خطرہ بن چکا ہے ۔ اس لئے تمام دنیا کی رائے عامہ کو جماعتِ احمدیہ کو بیدار کرنا چاہیئے اور صرف پاکستان ہی پر نہیں ، ہندوستان پر بھی یہ دباؤ ڈالنا چاہیئے کہ وہ ایسی تحریکات کو اپنے ہندوستان کے مفاد میں اور دنیا کے مجموعی مفاد میں یعنی اپنے ملکی مفاد میں اور دُنیا کے مجموعی مفاد میں کلیتہً کُچل کر رکھ دیں اور ہندوستان پر یہ داغ نہ لگنے دیں کہ یہاں سیاست کے نام پر ایسی قوم اُبھری ہے جو خُدا کا نام لے کر خُدا کے بندوں پر شدید ظلم توڑنے کی تیاری کر رہی ہے ۔

اس ضمن میں جو خبریں اب تک میرے علم میں آئی ہیں وہ بہت ہی خطرناک ہیں اور ایسی نہیں ہیں جن کو ایک احمدی نظر انداز کر دے ۔ مجھے ہندوستان کی بالغ نظر سیاست پر یہ توقع ہے یا ہندوستان کے بالغ نظر سیاستدانوں پر کہ وہ اس تحریک کو آگے نہیں بڑھنے دیں گے ۔ مجھے توقع ہے کہ وہ پاکستان کی گذشتہ تاریخ سے سبق حاصل کریں گے اور پوری طرح اس بات کا زور لگائیں گے (اور) اس بات پر متفق ہو جائیں گے کہ ہندو شریعت کے نام پر مسلمانوں پر ظلم توڑنے کی جو تحریک یا سازش جنم لے رہی ہے ، اس کو آگے نہ بڑھنے دیں ۔ اب تک ہندوستان کے سیاستدانوں

نے جو ردِ عمل دکھایا ہے وہ نہایت معقول اور مبنی بر انصاف ہے اور باوجود اس کے کہ موجودہ حکومت اقلیت میں ہے اور باوجود اس کے کہ اس حکومت کو شدید ضرورت تھی کہ ان ہندو انتہا پسندوں کو اپنے ساتھ شامل کرے اور اس کے لئے خطرہ تھا کہ اصولوں پر ان سے سودا کر لے لیکن یہ خوشکن بات بھی ہمارے سامنے آنی چاہیئے اور دُنیا کے سامنے ہمیں یہ بات بھی رکھنی چاہیئے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں خطرات سے اور غلط باتوں سے آگاہ کیا جائے وہاں اچھی باتوں کی تعریف کی جائے اور ان کو بھی ساتھ ہی شہرت دی جائے۔ موجودہ سیاستدان جو ہندوستان کی سیاست پر نئے انتخاب میں اُبھرے ہیں۔ ان میں سے اکثریت نے اس سازش کا حصہ بننے سے انکار کر دیا اور باوجود اسکے کہ شدید دباؤ تھا موجودہ حکومت پر، انہوں نے کھلم کھلا ان انتہا پسند ہندوؤں کو کہہ دیا ہے کہ ہم اصولوں میں تم سے کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے اور اسکے نتیجے میں ہوسکتا ہے کہ ایک نیا الیکشن ہو تو جب میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کے ان حالات سے دنیا کو باخبر کریں تو ہرگز یہ مراد نہیں کہ جہالت کے ساتھ کریں اور آپ بھی ایک انتقامی کارروائی کا حصہ بن جائیں۔ میرا مطلب ہے ان حالات کو دُنیا کے سامنے صداقت کے ساتھ رکھیں۔ کھول کر صاف صاف بیان کریں۔ ان کو بتائیں کہ خُدا کے فضل کے ساتھ سر دست ہندوستان کی سیاست میں یہ بالغ نظری موجود ہے۔ یہ شرافت موجود ہے کہ انہوں نے باوجود شدید دباؤ کے اِن انتہا پسندوں کے ساتھ اصولوں پہ کوئی سمجھوتہ نہیں کیا لیکن اگر پاکستان میں ایسی تحریکات بڑھیں تو نفسیاتی لحاظ سے ہندوستان میں ایسی فضا قائم ہونا ضروری ہے جس کے نتیجے میں آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں یہ انتہا پسند غالب آنا شروع ہو جائیں گے اور اگر یہ اتنا غالب آ گئے اور خدانخواستہ اس وقت تک کوئی بددیانت یا ضمیر فروش سیاستدان، خواہ اِن سے تعلق نہ بھی رکھتے ہوں، وہ سیاست میں اُبھرے اور اپنی حکومت کی خاطر اِن سے سمجھوتوں پر آمادہ ہو گئے تو پھر ہندوستان میں نہایت

خطرناک حالات ظاہر ہوں گے۔ دس[10] یا گیارہ[11] یا بارہ[12] مسجدوں کے منہدم ہونے کا سوال نہیں رہے گا۔ پھر خطرہ ہے کہ لاکھوں، کروڑوں مسجدیں منہدم کی جائیں۔ پھر دو[2] یا چار[4] یا سو[100] کو زبردستی مرتد بنانے کا سوال نہیں رہے گا۔ پھر کروڑوں کی تعداد میں وہاں مسلمانوں کو مرتد بنایا جائے گا۔ گلی گلی میں، قصبے قصبے میں، شہر شہر میں، صوبے صوبے میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جائے گی یہ وہ خطرات ہیں جو نہایت خطرناک صورت میں ہندوستان کے افق پر مجھے اُبھرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، صداقت پر قائم رکھتے ہوئے، انتقامی جذبات سے پاک ہو کر صاف صورت میں نکھار کر دنیا کے سامنے پیش کریں اور رائے عامہ کو اس کے خلاف آمادہ کریں اور ہندوستان کے احمدیوں کا فرض ہے کہ وہ سمجھدار سیاستدان سے رابطے پیدا کر کے اُن کو وہاں اپنے ملک میں ان باتوں سے آگاہ کریں۔ غالباً وہ آگاہ ہیں لیکن مزید وضاحت کے ساتھ بتائیں کہ آج تمہارے ملک کی وفا کا تقاضا یہ ہے کہ تم انتہا پسندوں کو یہاں اُبھرنے نہ دو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اسلام کے خلاف جہاں بھی دنیا میں کوئی خطرہ درپیش ہو، اس کے دفاع میں ہم ہمیشہ سب سے اوّل صف میں، سب سے زیادہ نمایاں، سب سے زیادہ خلوص کے ساتھ ہمیشہ سینہ سپر رہیں۔